زہد و احسان

مولانا عمر فاروق سعیدی
تحقیق و تخریج: ادارہ 'محدث'

دل بدست آور؛ حدیثِ اِحسان و اِخلاص

ایک موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک عجیب اور منفرد انداز سے وحی ہوئی کہ ایک نوجوان، خوبرو، گھبرو رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا ہے۔ آپؐ سے چند سوالات کرتا ہے، آپؐ ان کے جواب ارشاد فرماتے ہیں تو وہ سائل ہونے کے باوجود ان کی تصدیق کرتا ہے۔ صحابہؓ کو اس کے سوالات اور پھر جوابات کی تصدیق و توثیق سے بڑا اچنبا ہوا۔ پھر اس کے چلے بلکہ غائب ہوجانے کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان حضرات کو بتایا کہ یہ آنے والا جبرئیل (علیہ السلام) تھا، اور تمہیں 'تمہارا دین' سکھانے آیا تھا۔

یہ سوال و جواب اس قدر اہم اور عظیم الشان ہیں کہ ایک انسان اور بالخصوص مسلمان کے عقیدہ و عمل، دین و دنیا اور ظاہر و باطن کے تمام اُمور کو محیط اور شامل ہیں۔

علماے حدیث اس واقعہ کو 'حدیثِ جبریلؑ' کے نام سے معنون کرتے ہیں۔ کئی ائمہ و علماء نے اس کی شروحات کی ہیں۔ بالخصوص حافظ ابن رجبؒ نے اپنی ایک نادرِ روزگار ربانی تالیف جامع العلوم والحكم في شرح خمسين حديثًا من جوامع الكلم میں دوسرے نمبر کی حدیث میں اس کی جامع شرح فرمائی ہے۔ میں نے اس میں سے اپنے لئے، اپنی اولاد و اَحفاد اور مخلص عزیزوں کے لیے 'اِحسان' اور ضمناً خشوع فی الصلوٰۃ والاذکار کے موضوع سے متعلق چند صفحات کا مطالعہ رواں اُردو میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ جو عزیز عربی سے براہِ راست استفادہ نہیں کرسکتے، وہ بھی اس 'آبِ حیات' سے کچھ جُرعات لے لیں۔ جس میں یقیناً دلوں کا نور، روح کا سرور اور سینوں کا اِنشراح ہے۔ ان سے زندگی کی کٹھنائیاں یقیناً آسان ہوسکتی ہیں اور اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ابنِ آدم کی روحیں، ہمیشہ

سے بے چین، پیاسی اور مشتاق رہی ہیں کہ کاش کہیں سے کوئی جانفزا جھونکا آئے تاکہ اس کثافت بھری دنیا میں کوئی سکھ کا سانس لے سکیں، کوئی اطمینان وسکون ملے، سُوکھے ہونٹوں کو تراوٹ اور نظروں کو طراوت ملے۔

اللہ ربّ العٰلمین، ارحم الراحمین نے اپنے بندوں کی جملہ مادی ضروریات کے ساتھ ساتھ ان کی حقیقی ضرورت وطلب یعنی قلبی و روحانی تسکین کے اسباب سے بھی اُنہیں خالی اور محروم نہیں چھوڑا ہے۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ اور ان کی تعلیمات نے ہر دور میں آدم زاد کی یہ فطری ضرورت پوری فرمائی ہے اور بالخصوص رحمتہ للعالمین ﷺ کی آمد باسعادت کے بعد تو اس نعمت کا اتمام واکمال ہو چکا کہ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد:۲۸) ''خبردار! اللہ ہی کے ذکر میں دلوں کا اطمینان وسکون ہے۔'' مگر ایک بڑی تعداد ہے جو اس کے اعلانِ عام اور منادی کے باوجود اس طرف کان نہیں دھرتی اور اپنی طبعی اور روحانی بھوک پیاس کو کثافتوں سے مٹانے کی ناکام کوشش میں مگن رہتی ہے۔

'جامع العلوم والحکم' ساری کتاب ہی 'آبِ حیات' ہے۔ میں نے احسان واخلاص فی العبادت سے متعلق یہ چند صفحات اپنے قارئین کی نذر کئے ہیں اور نیت یہ ہے کہ کاش ہماری زندگیوں میں بالعموم اور عبادات واذکار میں بالخصوص اللہ کی طرف توجہ، اور اس کی طرف خاص دھیان حاصل ہو، اور زبان سے ادا ہونے والے کلمات اور جوارح سے صادر ہونے والی حرکات کی حقیقت ذہن میں مستحضر رہے تاکہ یہ اعمال فی الواقع 'عبادت' بنیں، محض عادت نہ رہ جائیں اور اللہ کے حضور درجاتِ عالیہ کا شرف پائیں اور ان انعامات و اِکرامات سے بہرہ ور ہوں جن کا وعدہ اس منعمِ حقیقی نے فرمایا ہے۔

اگر عبادات اور اذکار وتسبیحات میں محض رٹے رٹائے الفاظ دہرا دیئے جائیں اور جسم چند حرکات کر کے فارغ ہو جائے اور قلب و روح کو ان کی حقیقت کا علم ہی نہ ہو تو اس ساری کارگزاری اور ایک منتر کے عمل میں بظاہر کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ بے توجہ اور بے روح عبادت کا معاملہ اس رحمٰن و رحیم کے حضور ہے، چاہے تو قبول فرما لے اور عین ممکن ہے کہ ردّ بھی

کردے۔[1] واللہ المُستعان

یہ ظاہری افعال اور بے سمجھے کی تسبیحات اس بات کی تو یقیناً دلیل ہوتی ہیں کہ ان کا قائل و فاعل (اگر وہ فی الواقع منافق نہ ہو تو) بنیادی طور پر نعمتِ اسلام وایمان سے بہرہ ور ضرور ہے مگر عبادت کی حقیقت اور روح سے محروم ہے۔ جسے حاصل کرنے کے لیے ہر عالم و عامی کو بہر طور بہت زیادہ محنت، کوشش اور مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ نفس امارہ کا ٹٹو اس جادۂ حق واستقامت پر چلنے سے بالعموم انکاری ہوتا ہے یا چلتے چلتے بڑی جلدی بھٹک جاتا ہے ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ (یوسف:۵۲) اور نماز میں وسوسہ ڈالنے والا شیطان خِنزب اسے معمولی سے اشارے سے دوسری راہ پر لگا دے تو یہ بے تکلف اسی کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے۔ ولاحول ولا قوۃ إلا باللہ۔ حافظ شیرازی لکھتے ہیں:

آقائے ما نگہدار آبروے گدائے خویش
کہ از جوے دیگراں پُر نکند پیالہ را[2]

راقم کے یہ غیر مرتب سے متواضع حروف اگر اصحابِ منبر ومحراب یا صاحبانِ درس وتدریس کی نظروں میں کچھ وقعت پائیں تو گزارش کروں گا کہ قرآنِ کریم کے درس، حدیثِ نبویؐ کے سبق اور اپنے خطبہ و درس میں مقام احسان اور خشوع فی الصلوٰۃ و الاذکار وغیرہ کو اپنا خاص

---

① جیسا کہ فرمانِ نبویؐ ہے: عن عبادة بن الصامت قال أشهد أني سمعت رسول الله ﷺ يقول: خمس صلوات افترضهن الله تعالىٰ من أحسن وضوء هن وصلاهن لوقتهن وأتمّ ركوعهن وخشوعهن كان له على الله عهد، أن يغفرله ومن لم يفعل فليس له على الله عهد إن شاء غفرله و إن شاء عذّبه (سنن ابوداؤد، :۴۲۵)
حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جو اللہ نے فرض کی ہیں، جو شخص ان کا وضو عمدہ بنائے، اُنہیں بروقت ادا کرے، ان کے رکوع اور 'خشوع' کامل رکھے تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا عہد اور وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا اور جو یہ نہ کرے تو اُس کے لیے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔ چاہے تو بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔ (اللھم استر عوراتنا وآمن رَّوعاتنا..... آمین)

② ترجمہ: اے ہمارے آقا جل جلالہٗ! اپنے در کے اس گدا، سائل اور فقیر کی عزت و آبرو کی حفاظت فرمانا۔ یہ منگتا دوسروں کے ندی نالوں سے اپنے دستِ دعا کے پیالے کو بھر لینے کا کسی طور روادار نہیں۔

موضوع بنائیں۔ یقیناً یہ عظیم، اہم اور کرنے کا کام ہے۔ وباللہ التوفیق

حدیثِ جبرئیل علیہ السلام کا متن

عن عمر بن الخطاب قال بينما نحن [جلوس] عند رسول الله ﷺ ذات يوم إذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب، شديد سواد الشعر، لا يُرى عليه أثر السفر، ولا يعرفه منا أحد، حتى جلس إلى النبي ﷺ فأسند ركبتيه إلىٰ ركبتيه ووضع كفيه على فخذيه، وقال: يا محمد! أخبرني عن الإسلام؟ فقال رسول الله ﷺ: الاسلام :« أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدًا رسول الله، وتقيم الصلاة وتؤتي الزكاة وتصوم رمضان وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلا» . قال: صدقت،

قال: فعجبنا له يسأله ويصدقه

قال: فأخبرني عن الإيمان؟ قال: «أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر، وتؤمن بالقدر خيره وشره» قال: صدقت .

قال: فأخبرني عن الإحسان؟ قال: «أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك» . قال: صدقت .

قال: فأخبرني عن الساعة؟ قال: «ما المسؤول عنها بأعلم من السائل» .

قال: فأخبرني عن أماراتها، قال: «أن تلد الأمَة ربّتها وَأن تَرٰى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون في البنيان»

ثم انطلق فلبثتُ مليًّا ثم قال: يا عمر! أتدري من السائل؟ قلت: الله ورسوله أعلم . قال: «هٰذا جبريل أتاكم يُعلِّمُكم دينكم »

(صحیح بخاری: ۵۰، صحیح مسلم: ۹)

''سیدنا عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار اتفاق سے ہم رسول اللہ ﷺ کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی ہمارے سامنے آیا۔ انتہائی سفید کپڑے اور بال بڑے ہی سیاہ تھے۔ اس پر سفر کی علامات بھی نہ تھیں، اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا لئے، اور اپنی ہتھیلیاں آپ علیہ السلام کے گھٹنوں پر (یا اپنے گھٹنوں) پر رکھ لیں، اور کہنے لگا:

اے محمدؐ! مجھے اسلام کے متعلق بتایئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو اس بات کی شہادت (گواہی) دے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کر، زکوٰۃ دے، رمضان کے روزے رکھ اور اگر بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت ہو تو اس کا حج کر۔ اس نے کہا: آپؐ نے سچ فرمایا۔ عمرؓ کہتے ہیں کہ ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ خود ہی سوال کرتا اور پھر اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

پھر اس نے کہا: مجھے ایمان کے متعلق بتایئے؟ آپؐ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اپنے دل کی گہرائی سے اللہ کو مانے، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور رسولوں کو مانے، آخرت کے دن اور تقدیر کے بھلے بُرے ہونے پر یقین رکھے۔ اس نے کہا: آپؐ نے سچ فرمایا۔

اس نے کہا: مجھے 'احسان' کے متعلق فرمایئے؟ تو آپؐ نے فرمایا: تو اللہ کی عبادت اس طرح سے کر گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے، اگر یہ کیفیت نہ ہو سکے تو یہ ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا: آپؐ نے سچ فرمایا۔

اس نے کہا: مجھے قیامت کے متعلق بتایئے؟ فرمایا: مسئول (جس سے تم پوچھ رہے ہو) اس کے متعلق خود سائل (پوچھنے والے) سے کچھ زیادہ نہیں جانتا۔

تو اس نے کہا: مجھے اس کی علامت بیان فرمائیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ تو دیکھے گا کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی اور تو دیکھے گا کہ پاؤں سے ننگے، جسم سے ننگے، تنگ دست، بکریوں کے چرواہے اونچی اونچی عمارات بنانے لگیں گے۔ پھر وہ چلا گیا۔

اور میں کچھ وقت ٹھہرا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمرؓ! جانتے ہو، یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔

فرمایا: یہ جبرئیل علیہ السلام تھے، جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔''

احسان

'احسان'[3] کا قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر ذکر آیا ہے۔ کہیں 'ایمان' کے ساتھ ملا کر، کہیں 'اسلام' کے ساتھ اور کہیں 'تقویٰ' اور 'عمل صالح' کے ساتھ، مثلاً:

③ سلفِ اُمت اور تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں للّٰہیت اور اخلاص کا حقیقی اور صحیح نام 'زہد و احسان' رہا ہے۔ امام ابن مبارک اور احمد بن حنبلؒ وغیرہ کی تالیفات میں 'کتاب الزہد' نام کی کتابیں معروف اور متداول ہیں۔ بعد میں اس عمل میں کچھ تحریف ہوئی اور بہت زیادہ ہوئی اور عجمیت نے بھی اس میں =

* ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّأَحْسَنُوْا وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾
(المائدۃ:۵/۹۳)

''ایسے لوگوں پر جو ایمان رکھتے اور نیک کام کرتے ہوں اس بارے میں کوئی گناہ نہیں، جس کو اُنہوں نے کھایا (پیا) جبکہ وہ تقویٰ رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں، پھر پرہیز گاری کرتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز کرتے ہوں اور (درجہ احسان میں) خوب نیک عمل کرتے ہوں تو اللہ ایسے نیکوکاروں (محسنین) سے محبت رکھتا ہے۔''

* ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾
''یقیناً جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو ہم کسی نیک عمل کرنے والے (محسن) کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔'' (الکہف: ۱۸/۳۰)

* اسلام سے ملا کر فرمایا: ﴿بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ:۲/۱۱۲)
''سنو! جو بھی اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دے اور وہ (محسن ہو کر) اخلاص سے عمل کرے تو بیشک اس کا رب اسے پورا پورا بدلہ دے گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غم اور اداسی''

* ﴿وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾
''جو شخص اپنے چہرے کو اللہ کی طرف متوجہ کردے اور وہ ہو بھی نیکوکار (محسن) تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا۔'' (لقمان:۳۱/۲۲)

* تقویٰ کے ساتھ ملا کر یوں ارشاد فرمایا ہے: ﴿لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾

= دراندازی کی تو اس کا نام 'تصوف' اور 'طریقت' ٹھہرا اور اسے شریعت کا حریف اور اس کے بالمقابل لاکھڑا کیا گیا اور بدعات کے سیلاب نے زہد واحسان کے اس چشمہ صافی کو اس قدر گدلا یا کہ اب اسے یہاں ہی پناہ ملتی ہے، وگرنہ مخلص اہل نظر بخوبی جانتے ہیں کہ دنیا سے بے رغبتی اور عبادات میں احسان شریعت کا ایک انتہائی اہم مقام و مرتبہ ہے اور اس حقیقت میں کوئی خفا نہیں کہ دل کی دنیا پر قابو پانا ایک مستقل علم اور عمل ہے جو بہت زیادہ محنت اور مجاہدہ چاہتا ہے اور جس طرح دیگر علوم محض کتاب سے حاصل نہیں ہوسکتے، ان کے لیے مخلص اور محنتی معلّم کی ضرورت ہوتی ہے تو یقیناً اس شعبہ کے لیے بھی ربانی وحقانی مربی ہی انسان کی اچھی تربیت کرسکتا ہے۔ (سعیدی)

''جنہوں نے (درجہ احسان میں) نیکی کی تو ان کیلئے خوبی ہے اور مزید بھی۔'' (یونس:۱۰/۲۶)

* صحیح مسلم میں اس 'مزید' کی یہ وضاحت آئی ہے کہ اس سے مراد جنت میں 'اللہ عزوجل کے چہرۂ انور کا دیدار' ہے جو اِن محسنین کے عمل احسان کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے ہوگا کیونکہ ان کے اعمال درجہ احسان تک اسی وجہ سے بلند ہوئے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے اپنے ربّ کی عبادت ایسے حضورِ قلبی اور اپنے ربّ کے مراقبہ کی کیفیت میں کرتے تھے گویا وہ اسے اپنے دل سے دیکھ رہے ہوتے تھے تو اس کی جزا ان کے لیے یہ ہوئی کہ وہ آخرت میں اپنے اللہ کو اپنی آنکھوں سے عیاناً دیکھیں گے۔ جبکہ ان کے برعکس کفار کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ

﴿إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ﴾ (المطففین:۸۳/۱۵)

''یہ کفار...... اس دن اپنے ربّ سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔''

اور یہ ان کے اس حال کا بدلہ ہوگا جو وہ دنیا میں کرتے رہے کہ ان کے دلوں پر گناہوں کے زنگ کی تہیں جمتی رہیں اور اُنہیں اس حال تک پہنچا دیا کہ اُنہیں اللہ کی معرفت اور اس کے مراقبہ کا کبھی کوئی خیال نہ آتا تھا تو آخرت میں اللہ عزوجل کے دیدار کی نعمت اور اِعزاز سے محروم ہوگئے۔

* اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک جس میں آپؐ نے احسان کی یہ تفسیر وتوضیح فرمائی ہے کہ «أن تعبد الله كأنك تراه» ''تو اپنے اللہ کی عبادت ایسے اور اس کیفیت میں کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔'' اس کیفیت کے طاری ہونے کا حاصل اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ عزوجل کے سامنے حاضر پاتا ہے، گویا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ اس سے بندے میں اللہ کی خشیت، خوف، ہیبت اور تعظیم کے جذبات میں اضافہ ہوتا ہے جیسے کہ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے «أن تخشى الله كأنك تراه» (صحیح مسلم:۱۰)

''تو اللہ سے اس طرح ڈر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہو۔''

ان تعلیمات کا لازمی تقاضا اور مطالبہ یہ ہے کہ بندہ اپنے اللہ کی عبادت میں خلوص کی انتہا کے اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کرے اور عبادت کے اکمال و اتمام اور تحسین میں اپنی تمام توانائیاں صرف کردے۔

* نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کئی صحابہ کو اس بات کی وصیت فرمائی تھی جیسے کہ ابراہیم ہجری، ابوالاحوص سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ

أوصاني خليلي ﷺ أن أخشى الله كأني أراه فإن لم أكن أراه فإنه يراني [4]

''مجھے میرے خلیل ﷺ نے وصیت فرمائی کہ میں اللہ سے ڈروں گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں، اگر میں یہ (کیفیت طاری) نہ کرسکوں تو یہ ہو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔''

* حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ

أخذ رسول الله ﷺ ببعض جسدي فقال: «أعبدالله كأنك تراه»

''رسول ﷺ نے میرے جسم کا ایک حصہ دبایا (یا پکڑا) اور فرمایا اللہ کی عبادت ایسے کیا کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو۔'' (حلیۃ الأولیاء: ۱۱۵/۶؛ السنن الکبریٰ للنسائی؛ تحفۃ الاشراف: ۲۷۸/۵ 'صحیح')

* سیدنا جناب زید بن ارقم سے مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح آیا ہے، فرمایا:

«كن كأنك ترى الله فإن لم تكن تراه فإنه يراك» [5]

''ایسے رہا کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ کیفیت نہ ہوسکے تو یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' (حلیۃ الأولیاء: ۲۰۲/۸، مرفوعاً یہ حدیث ضعیف ہے، لسان المیزان ۱۰۹/۷)

* طبرانی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ

أن رجلاً قال يا رسول الله ﷺ حدثني بحديث واجعله موجزًا فقال: «صلِّ صلاة مودّع» (المعجم الکبیر للطبرانی:)

''ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! مجھے کوئی تلقین فرمائیں اور چاہئے کہ مختصر ہو۔ فرمایا: نماز ایسے پڑھا کرو گویا یہ تمہاری آخری الوداعی نماز ہے۔''

* حارثہؓ کی مشہور روایت ہے جو متصل و مرفوع اسانید سے مروی ہے مگر مرسل زیادہ صحیح ہے:

---

(4) 'اللہ سے ڈرنے' کی آیات واحادیث میں 'ڈر اور خوف' سے مراد وہ قلبی و روحانی کیفیت ہوتی ہے جس میں اُلفت، محبت، ہیبت، جلال، تعظیم اور قرب کے جذبات ہوتے ہیں۔ بندہ گھبراتا ہے کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی نہ ہوگئی ہو یا ہو نہ جائے اور ساتھ ہی اس کی قربت و محبت اور انعام و اِکرام کا بھی یقین رکھتا ہے، جیسے ایک سعادت مند بیٹے کا اپنے باپ سے تعلق ہوتا ہے۔ ولله المثل الأعلىٰ اور اللہ تعالیٰ کا مقام تو بے انتہا اَعلیٰ وارفع ہے۔

(5) اس ارشاد میں یہ تلقین عام ہی فرمائی گئی ہے، خواہ عبادت میں ہو یا نہ ہو۔

"أن النبي ﷺ قال له يا حارثة! كيف أصبحتَ؟ قال: أصبحتُ مؤمنًا حقًّا، قال: أنظر ما تقول، فإن لكل قول حقيقةً. قال: يا رسول الله ﷺ! عزفَتْ نفسي عن الدنيا فأسهرتُ ليلي و أظمأت نهاري، وكأني أنظر إلىٰ عرش ربي بارزًا، وكأني انظر أهل الجنة في الجنة كيف يتزاورون فيها، وكأني أنظر إلىٰ أهل النار كيف يتعاودون فيها، قال: أبصرت فالزم، عبد نوَّر الله الايمان في قلبه" (شعب الایمان از امام بیہقی: ۱۰۵۹۰ 'ضعیف')

''نبی ﷺ نے پوچھا: اے حارثہ! کس حال میں تو نے صبح کی ہے؟ اُنہوں نے کہا: حضرت! مؤمنِ حق ہوتے ہوئے میں نے صبح کی ہے! آپؐ نے فرمایا: سوچ تو کیا کہہ رہے ہو؟ ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے؟ اُنہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اپنے آپ کو دنیا سے بے رغبت کرلیا ہے، راتوں کو جاگتا ہوں، دن میں اپنے آپ کو پیاسا رکھتا ہوں، ایسے محسوس کرتا ہوں جیسے اپنے ربّ کے عرش کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ گویا اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ کیسے کیسے ایک دوسرے کی زیارت کو جارہے ہیں اور اہل نار کو دیکھتا ہوں کہ کیسے کیسے بھگت رہے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: تو نے بصیرت حاصل کرلی ہے۔ تو اب اسے لازم پکڑے رہنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایسا بندہ ہے کہ اللہ نے اس کے دل کو ایمان سے منور کردیا ہے۔''

اللہ سے حیا کرنا

* حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو وصیت فرمائی اور کہا:

استحي من الله استحياءك من رجلين من صالحي عشيرتك لايفارقانك

''اللہ سے ایسے حیا کرو جیسے تم اپنے قوم قبیلے کے دو صالح بندوں سے حیا کرتے ہو، جو تم سے جدا نہیں ہوتے۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۸۹۷، 'ضعیف')

* کتاب الزہد کی مرسل روایت میں ہے: استحي من ربك ''اپنے ربّ کا حیا کیا کرو۔'' (۲۴۸)

* حضرت معاذؓ کو جب یمن بھیجا گیا تو آپ ﷺ نے اُنہیں ایک وصیت یہ بھی فرمائی تھی:

استحي من الله كما تستحي من رجل ذا هيبة من أهلك (البزار: ۲۶۴۲ ضعیف)

''اپنے ربّ سے اسی طرح حیا کرو جیسا کہ تم اپنے اہل کے کسی باہیبت آدمی سے حیا کرتے ہو۔''

* ایک بار کسی نے آپ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ کیا آدمی جب اکیلا ہو تو بے لباس اور

عریاں ہوجائے؟ تو آپؐ نے فرمایا: «الله أحق أن يستحيا منه» (سنن ابو داود: ۴۰۱۷ 'حسن') ''اگر سامنے اور کوئی آدمی نہ بھی ہو تو اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کیا جائے۔'' (یعنی اکیلے میں بھی آدمی کو لایعنی طور پر بے لباس عریاں نہیں ہونا چاہئے)

* صحابی رسول حضرت ابوالدرداءؓ نے ایک آدمی کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

"اُعبدالله كأنك تراه" (حلية الأولياء:۲۱۱/۱)

''اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔''

* ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ طواف میں تھے، اور عروہ بن زبیر بھی ...... کہ اس دوران عروہ نے جناب عبداللہؓ سے ان کی صاحبزادی کے متعلق نکاح کی بات کرنا چاہی تو حضرت عبداللہؓ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ مدینہ منورہ واپس پہنچے تو دورانِ طواف میں جواب نہ دینے پر معذرت کی، اور کہا کہ ''بھئی! اس وقت جب تم نے بات کی تھی، ہم طواف کر رہے تھے اور اس دوران میں تو ہم اپنے اللہ کو اپنے سامنے خیال کرتے ہیں۔'' (حلیہ: ۳۰۹/۱)

☆...... رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: «فإن لم تكن تراه فإنه يراك» ''اگر تم پہلے والی کیفیت حاصل نہ کرسکو تو یہ ضرور ہو کہ خیال کرو کہ وہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے''

یہ جملہ گویا پہلے کی علّت اور سبب ہے۔ بندے کو جب حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اللہ کو اپنے تصور میں لائے، کہ دورانِ عبادت وہ اسے دیکھ رہا ہے، اور وہ اپنے بندے کے بہت زیادہ قریب ہے، اتنا قریب کہ بندہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ کیفیت نہ بن سکے تو اسے اپنے اس ایمان سے مدد لینی چاہئے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے، وہ اس کے ظاہر اور باطن سے آگاہ ہے اور اس کی کوئی حالت اور کیفیت اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ بندہ جب یہ مقام و مرتبہ حاصل کرلے گا تو اس طرح اس کے لیے پہلے مقام کا حصول بہت آسان ہوجائے گا کہ اس پر یہ کیفیت اور بصیرت طاری رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے بے انتہا قریب ہے، اس کی معیت میں ہے یا کم از کم اسے دیکھ رہا ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ جس شخص کے لیے اس کیفیت میں عبادت کرنا مشکل ہو تو اسے یہ دوسری کیفیت ضرور ہی طاری کرنی چاہئے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے، اسے جھانک رہا ہے تو اسے اس سے حیا کرنی چاہئے کہ اس سے کوئی خلاف ادب بات یا فعل صادر ہو۔

عارفین کے کچھ اقوال

* بعض عارفین کا قول ہے: اس بات سے ڈرو کہ کہیں اللہ تمہیں حقارت سے نہ دیکھتا ہو۔
* بعض نے کہا: اللہ سے ڈرو اور خیال کرو کہ وہ تم پر کس قدر عظیم قدرت رکھتا ہے۔
* بعض نے کہا: عارف تو وہ ہے جو اللہ کے لیے عمل کرے اور اس تصور سے کرے گویا وہ اسے دیکھتا ہے اور جو اس کیفیت سے عبادت کرے کہ ''اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔'' تو وہ 'مخلص' ہوتا ہے۔

اور اس قول میں مذکورہ بالا دونوں مراتب و مقامات کی طرف اِشارہ ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ، مقامِ اخلاص ہے اور اس کا لازمی تقاضا ہے کہ بندہ عبادت میں اِدھر اُدھر نہ جھانکے، صرف اس کی رضا کو پیش نظر رکھے اور پہلا مقام، مقامِ مشاہدہ ہے یعنی بندہ اپنے دل میں یہ تصور جمائے اور اس طرح کے حضور قلب سے عبادت کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مشاہدہ میں ہے۔ اس طرح اس کا دل ایمان سے منوّر اور اس کی بصیرت مقامِ عرفان تک پہنچ جائے گی۔ حتیٰ کہ غیب عیاں بن جائے گا اور یہی وہ مقامِ احسان ہے جس کا حدیث جبریل میں بیان ہوا ہے۔

اور ان مقامات کے اصحاب اپنے اپنے درجاتِ بصیرت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔

اور علماء کی ایک جماعت نے آیتِ کریمہ ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الروم: ۳۰ر۲۷) ''اس کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے، آسمانوں میں اور زمین میں بھی'' ...... میں 'مثل اعلیٰ' کی یہی تفسیر کی ہے جس کا اوپر بیان ہوا ہے۔

اس طرح سورۃ النور کی آیت ۳۵ میں ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ...﴾ کی تفسیر میں یہی بیان کرتے ہیں کہ ''اللہ کے نور کی مثال جو مؤمن کے دل میں ہوتا ہے، مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو...... الخ''

اُبی بن کعبؓ وغیرہ صحابہ سلف اُمت سے اس کی یہی تفسیر وارد ہے۔ (تفسیر طبری: ۱۹۷۵۷)

* اور احادیث میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ «أفضل الايمان أن تعلم أنَّ الله معك حيثُ كنتَ» (مسند الشامیین للطبرانی: ۵۲۰) ''سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ

تمہیں علم و یقین ہو کہ تم جہاں کہیں بھی ہوئے، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔''

* طبرانی میں حضرت ابوامامہؓ سے یہ روایت آتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«ثلاثه في ظل الله يوم القيامة يوم لا ظل إلا ظله: رجل حيث توجه عَلِمَ أن الله معه» (طبرانی:۹۷۳۵ واسنادہ ضعیف جدا فیہ بشیر بن نمیر متروک، مجمع الزوائد: ۲۷۹/۱۰)

''تین قسم کے آدمی قیامت کے دن اللہ کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ کہیں کسی کا کوئی سایہ نہ ہوگا، ان میں ایک وہ ہوگا جو جہاں کہیں بھی جائے اسے یقین ہو کہ اللہ اس کے ساتھ ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی معیت کا تذکرہ؛ قرآن وسنت میں

قرآنِ مجید کے متعدد مقامات میں اس کا ذکر ہے، فرمایا:

* ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ ''وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو۔''

* ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ...﴾

''جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں بتائیں کہ میں قریب ہوں۔''

*اور فرمایا: ﴿مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَمَا كَانُوا.....﴾ (المجادلہ:۷/۵۸)

''تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے، اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ انکے ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔''

* اور فرمایا: ﴿وَمَا تَكُونُ مِنْ شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ﴾ (یونس:۶۱/۱۰)

''اور آپ کس حال میں ہوں اور مجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور جو کام بھی کرتے ہوں، ہم کو سب کی خبر رہتی ہے، جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔''

* اور فرمایا: ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (ق:۱۶/۵۰)

''اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں''

* اور فرمایا: ﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ...﴾

''یہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے اور وہ ان کے ساتھ ہوتا

ہے۔'' (النساء:۴/۱۰۷)

اور احادیثِ طیبہ صحیحہ میں بھی اس بات کا ذکر موجود ہے کہ بندے کو چاہئے کہ عبادات میں بالخصوص اللہ تعالیٰ کے اس قرب کو اپنے دل و دماغ میں حاضر رکھے، مثلاً:

* «إن أحدكم إذا قام يصلّي فإنما يناجي ربّه» (صحیح بخاری:۴۰۵)

''تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کررہا ہوتا ہے۔''

* یا اس طرح بھی آتا ہے: «ربّه بينه وبين القبلة» (صحیح بخاری:۴۰۵)

''نماز کے وقت اس کا ربّ اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے۔''

* یا یہ الفاظ آئے ہیں: «إن الله قبل وجهه إذا صلّى» (صحیح بخاری:۴۰۶)

''جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے سامنے ہوتا ہے۔''

* ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں :

«إن الله ينصب وجهه لوجه عبده في صلاة ما لم يلتفت» [۶] (ترمذی:۲۸۲۳)

''اللہ تعالیٰ نماز کے دوران اپنا چہرہ بندے کے چہرے کی طرف کرلیتا ہے جب تک کہ وہ التفات نہ کرے۔''

* ایک بار صحابہ کرامؓ سے تکبیر پکارنے میں آوازیں کچھ بلند ہوگئیں، تو آپ علیہ السلام نے اُنہیں سمجھایا کہ

«إنكم لا تدعون أصم ولا غائبًا إنكم تدعون سميعًا قريبًا» (بخاری:۴۲۰۲)

''تم لوگ کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو بلکہ اس ذات کو پکارتے ہو، جو خوب سننے والا قریب ہے۔''

* اور ایک روایت میں آیا ہے کہ «وهو أقرب إلىٰ أحدكم من عنق راحلته»

''وہ تو تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔'' (صحیح مسلم:۲۷۰۴)

* اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: «هو أقرب إلى أحدكم من حبل الوريد»

''وہ تو تم سے تمہاری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔'' (فتح الباری لابن رجب:۲/۴۰۵)

---

⑥ اور التفات یعنی نظروں سے اِدھر اُدھر جھانکنا اور یہ کام دل بھی کرتا ہے کہ اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے اور یہ نظروں سے زیادہ سخت اور پریشان کن ہوتا ہے۔ (سعیدی)

* اسی طرح ایک حدیثِ قدسی یہ ہے:

«أنا مع عبدي حيثما ذكرني وتحرَّكت بي شفتاه» (صحیح بخاری:۷۵۲۴)

''میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا اور میرے ذکر کے ساتھ اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں۔''

* اور حدیثِ قدسی ہے کہ «أنا عند ظن عبدي بي وأنا معه حين يذكرني فإن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي، وإن ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ هم خير منهم، وإن تقرب مني شبرًا تقربت منه ذراعًا وإن تقرب مني ذراعًا تقربت منه باعًا وإن أتاني يمشي، أتيته هرولةً»

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں اپنے بندے کے میرے متعلق گمان کے مطابق ہوتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جہاں بھی وہ مجھے یاد کرے، اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرے تو میں اسے اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت قریب ہو تو میں ایک ہاتھ برابر اس کی طرف قریب ہوجاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ قریب ہو تو ایک باع (دونوں بازوں کے پھیلاؤ) برابر اس سے قریب ہوجاتا ہوں اگر وہ میری طرف چل کے آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کے آتا ہوں۔'' (صحیح مسلم:۲۶۷۵)

تو اگر کوئی ان نصوص سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں حلول یا اتحاد وغیرہ کے مفہوم سمجھتا اور کشید کرتا ہے تو یہ اس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے متعلق سوءِ فہم اور جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ ان معانی و مفاہیم سے بری ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس کے مثل کوئی نہیں اور وہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔

متقی و زاہد حضرات کے بعض اقوال

◉ جناب بکر مزنیؒ کہتے ہیں: ''اے ابنِ آدم! تیرے جیسا کون ہے؟ تیرے، تیرے محراب اور بحر (اُنس و معرفت) میں کوئی رکاوٹ نہیں، تم جب چاہو اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوسکتے ہو، اور تمہارے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان بھی نہیں ہوتا۔

اور جب کوئی ذکر و عبادت میں حضور و استحضار کا یہ مقام حاصل کرلیتا ہے تو وہ اللہ کا انیس

بن جاتا ہے اور پھر لازمی طور پر دیگر مخلوقات سے اسے وحشت سی ہونے لگتی ہے۔''

(حلیة الأولیاء:۲/۲۲۹)

◉ ثور بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ'' میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے جماعتِ حواریین! اللہ کے ساتھ بہت زیادہ اور لوگوں کے ساتھ بہت کم باتیں کیا کرو۔ اُنہوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت زیادہ کلام کیسے کریں؟ فرمایا: اس کے ساتھ مناجات کے لیے خلوت اختیار کرو، اور خلوت میں اس سے دعائیں کیا کرو۔''

(حلیة الأولیاء:۶/۱۹۵)

◉ اسی طرح جناب رباحؒ سے روایت کیا کہ'' ایک آدمی ہر دن رات میں ہزار رکعتیں پڑھتا تھا[۷] حتیٰ کہ وہ کھڑا ہونے سے معذور ہوگیا تو بیٹھ کر پڑھا کرتا تھا۔ وہ جب عصر کی نماز پڑھ لیتا تھا تو اپنے گھٹنوں کو اپنے بازوں میں لے کر احتباء کی صورت میں بیٹھ جاتا اور قبلہ کی طرف منہ کر لیتا اور کہتا تھا: مجھے اس مخلوق پر تعجب ہے وہ کس طرح اور کیونکر تیرے علاوہ کسی اور سے دل لگائے ہوئے ہیں۔ مجھے اس مخلوق پر تعجب ہے کہ ان کے دل کیونکر تیرے علاوہ کسی دوسرے کے ذکر کے ساتھ مانوس ہیں؟'' (ایضاً)

◉ ابواسامہؒ کہتے ہیں کہ'' میں جناب محمد بن نصر حارثیؒ کے ہاں گیا تو میں نے اُنہیں محسوس کیا کہ وہ کچھ منقبض سے ہیں، ان کی طبیعت میں گھٹن سی ہے۔ میں نے کہا: شاید آپ کو ناگوار لگتا ہے کہ آپ کے پاس آیا جائے۔ اُنہوں نے کہا: ہاں[۸]

میں نے کہا: تو کیا آپ کو اس طرح اکیلے بیٹھے رہنے سے وحشت اور گھبراہٹ نہیں ہوتی؟

---

[۷] اس طرح کے جملے بہت سے صوفیاء وزاہدین کے متعلق تواتر کے ساتھ لکھنے پڑھنے میں آتے ہیں۔ تاہم ہزار رکعت کی ادائیگی مسنون انداز میں بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے کیونکہ چوبیس گھنٹوں کے منٹ ہی بنالئے جائیں تو ایک ہزار چار سو چالیس (۱۴۴۰) بنتے ہیں۔ پھر عبادت کے لیے مکروہ وممنوع اوقات نکال لیے جائیں تو ایک منٹ میں ایک رکعت بڑے تعجب کی بات ہے۔ اِلاّ یہ کہ یہ تاویل کرلی جائے کہ ان جملوں میں تعداد مراد ہی نہیں ہوتی، محض کثرت کے معنی میں یہ عدد بول دیا گیا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب! اور حقیقت یہ ہے جو للّٰہیت، خشوع وخضوع اور راحت وسکون رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ میں ہے، اور کہیں نہیں ہوسکتا۔ والحمدللہ علیٰ ذلك (سعیدی)

اُنہوں نے کہا: مجھے گھبراہٹ کیوں ہو؟ جب کہ وہ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے: میں ہم مجلس ہوتا ہوں اس کا جو مجھے یاد کرے۔'' (شعب الایمان:۷۰۹)

◉ جناب مالک بن مغولؒ اپنے گھر میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے تو اُن سے کہا گیا: ''کیا آپ کو اپنے اکیلے بیٹھے رہنے سے گھبراہٹ نہیں ہوتی؟'' تو اُنہوں نے کہا: ''کیا بھلا کوئی اللہ کی معیت میں بھی گھبرا سکتا ہے؟'' (فتح الباری لابن رجب:۱/۱۹۵)

◉ جناب حبیب ابومحمدؒ اپنے گھر میں اکیلے ہی بیٹھے ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے: ''اے اللہ! جس کی آنکھ تیری معیت میں ٹھنڈی نہیں ہوتی، اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں۔ جسے تجھ سے اُنس نہیں ملتا اسے کہیں کوئی اُنس نہ ملے۔'' (حلیۃ الأولیاء:۸/۱۰۸)

◉ جناب غزوانؒ کہا کرتے تھے: ''میں اپنے دل کی راحت اُس کی مجالست اور صحبت میں پاتا ہوں جس کے ہاں میری حاجات ہیں۔''

◉ مسلم بن یسارؒ کا قول ہے: ''لذت کے متوالوں کو اللہ تعالیٰ سے مناجات کے لیے خلوت سے بڑھ کر اور کہیں کوئی لذت نہیں۔'' (حلیۃ الأولیاء:۲/۲۹۴)

◉ مسلم بن عابدؒ کا قول ہے کہ ''اگر جماعت کے اہتمام کی پابندی نہ ہوتی تو میں اپنے دروازے سے کبھی باہر نہ نکلتا حتیٰ کہ مجھے موت آجاتی۔''

اللہ کے مطیع بندوں کے لیے اس دنیا میں اپنے آقا کے ساتھ مناجات کے لیے خلوت سے بڑھ کر اور کوئی چیز لذیذ و شیریں نہیں ہوتی۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ ان کے سینوں میں میں آخرت کے ثواب اور اللہ کے دیدار سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہوگی'' پھر ان پر غشی طاری ہوگئی۔

◉ جناب ابراہیم بن ادہمؒ کا بیان ہے کہ

"أعلىٰ الدرجات أن تنقطع إلىٰ ربك وتستأنس إليه بقلبك وعقلك وجميع جوارحك حتى لا ترجو إلاّ ربك ولا تخاف إلاّ ذنبك وترسخ محبته في قلبك حتى لا تؤثر عليها شيئًا فإذا كنت كذلك لم تنل في برّ

⑧ بعض لوگ علماء و صالحین کے پاس محض تبرک کے طور پر جا بیٹھتے اور ان کے علمی و عملی مشاغل میں حارج بنتے ہیں اور پھر وہ بے مقصد طور پر مجلس کو طول بھی دیتے ہیں۔ شاید اسی قسم کے لوگوں سے انقباض کا ذکر ہوا ہے۔ واللہ اعلم (سعیدی)

كنت أو بحر أو في سهل أو في جبل وكان شوقك إلىٰ لقاء الحبيب شوق الظمآن إلى الماء البارد وشوق الجائع إلى الطعام الطيب، ويكون ذكر الله عندك أعلىٰ من العسل وأعلىٰ من الماء العذب الصافي عند العطشان في اليوم الصائف" (حلية الأولياء:٦٧/٨)

''سب سے عظیم درجہ اور مقام تو یہ ہے کہ تم مخلوقات سے کٹ کر[9] اللہ کے ہو رہو اور اپنے عقل وشعور اور تمام اعضاء و جوارح کے ساتھ اللہ کے اُنیس بنو حتیٰ کہ تمہاری ساری کی ساری اُمیدیں اللہ ہی سے وابستہ ہو جائیں۔ اور اپنے قصوروں اور گناہوں سے ڈرتے رہو۔ اللہ کی محبت کو اپنے دل میں اس طرح سے جماؤ حتیٰ کہ کسی اور شے کو اس پر ترجیح حاصل نہ رہے۔ اگر تم اس طرح کے ہو گئے تو پھر خواہ جنگل میں ہوئے یا سمندر میں، کسی میدان میں ہوئے یا پہاڑ پر، تو پھر تمہارا شوق اپنے حبیبِ حقیقی جل جلالہ کی ملاقات کے لیے ایسے ہوگا جیسے کسی پیاسے کو ٹھنڈے میٹھے پانی کی طلب ہوتی ہے، کسی بھوکے کو بہترین لذیذ کھانے کی خواہش ہوتی ہے۔ اللہ کا ذکر تمہارے لیے شہد سے بڑھ کر شیریں اور ٹھنڈے میٹھے صاف پانی کی خواہش سے بڑھ کر ہو جائے گا جو کسی تپتے دن میں ہو سکتی ہے۔''

- جناب فضیلؒ کا قول ہے: ''مبارک ہے وہ شخص جو لوگوں کے جمگھٹوں سے گھبرا کر اللہ کا جلیس وانیس بن گیا۔'' (حلية الأولياء:١٠٨/٨)
- ابوسلیمانؒ کہتے ہیں: ''میں کبھی بھی اللہ تعالیٰ کو بھول نہیں سکتا ہوں۔''
- جناب معروف کرخیؒ نے ایک آدمی سے کہا: ''اللہ تعالیٰ پر تمہارا توکل اور اعتماد ایسا اور اس قدر ہو کہ وہ تمہارا جلیس وانیس بن جائے اور پھر تم اپنی جمیع حاجات اسی کو سنواسکو۔'' (حلية الأولياء:٣٦٠/٨)
- ذوالنون مصریؒ سے منقول ہے کہ ''اہل محبت کی علامت یہ ہے کہ اُنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کہیں اور سے اُنس نہیں ملتا اور اس کی معیت سے اُنہیں کوئی گھبراہٹ نہیں ہوتی (یعنی

---

[9] اللہ تعالیٰ کے ذکر کا یہ مفہوم نہیں سمجھنا چاہئے کہ آدمی بس کسی زاویہ میں معتکف ہو کر بیٹھ رہے اور معاشرتی حقوق وفرائض (شرعی) سے غافل ہو رہے بلکہ علماء ربانی نے اس کی یہ وضاحت فرمائی ہے کہ گھر بار کے جمیع حقوق وفرائض اور کسب رزق وغیرہ کی تمام تگ ودو جو شرعی تقاضوں اور دینی آداب کے ساتھ ہو، 'اللہ کے ذکر' میں ہی شمار ہوتی ہے۔ اور مخلوقات سے کٹنے کا مفہوم بھی یہی ہے کہ لوگوں کے ساتھ روابط اور مجلس آرائی کسی عظیم تر پاکیزہ اور مفید مقاصد ومطالب کے تحت ہی ہو۔ (سعیدی)

لوگوں کے نہ ملنے سے اُنہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔)'' (فتح الباری لابن رجب:۱/۱۹۵)

اور فرمایا: ''جب اللہ کی محبت دل میں جاگزیں ہوجاتی ہے تو اس بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس ہوجاتا ہے۔ پھر اللہ کی ذات اہل معرفت کے سینوں میں سب سے عظیم ہوجاتی ہے اور یہ بھی سب سے کٹ کر اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔''

الغرض علماء و زہاد کے اس طرح کے اَقوال بے شمار ہیں، جن کا احاطہ تطویل کا باعث ہوگا جو ذکر ہوگیا، اس میں بڑی کفایت ہے۔ ان بیانات کی روشنی میں اس حدیث (حدیثِ جبریلؑ) کی عظمتِ شان کا پتا چلتا ہے کہ یہ حدیث تمام علوم و معارف کی جامع ہے اور ہر طرح کے علوم و حکم اس کی طرف راجع ہیں اور اُمت کے عظیم علماء و بزرگان کے علمی جواہرات جو وہ پیش کرتے ہیں، اس حدیث سے باہر نہیں ہوتے جبکہ فقہاے کرام کا موضوعِ بحث عبادات کا ظاہر ہوتا ہے جو یقیناً اسلام کے بنیادی خصائل میں سے ہے، اس کے بعد وہ اَموال، عصمتوں اور خونوں کے حقوق کی بحث کرتے ہیں جو سبھی بلا شبہ علومِ اسلامیہ کا عظیم حصہ ہیں۔ مگر ان حضرات سے اسلام کی معنویات یعنی آداب و اخلاق کا ایک بڑا حصہ رہ بھی جاتا ہے، جس کے متعلق یہ حضرات بہت کم بحث کرتے ہیں حتیٰ کہ شہادتِ توحید و رسالت کے معانی کی گہرائی میں بھی نہیں جاتے حالانکہ یہی بات اسلام کا اصلِ اصیل ہے۔ اور جو لوگ اَدیان کے اُصول و مبادی پر بحث کرتے ہیں وہ شہادتِ توحید و رسالت، اللہ تعالیٰ (کی ذات و صفات اور اسماء حسنیٰ)، کتبِ منزلہ، یومِ آخرت اور تقدیر (اور ان کے حقائق پر) تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔ (الایمان از ابن تیمیہؒ: ۲۴۴، ۲۴۵) اور جو لوگ معرفت و سلوک کے باب میں کلام کرتے ہیں، وہ مقامِ احسان اور قلبی و داخلی احساسات کی تفصیلات مثلاً خشیتِ الٰہی، محبتِ الٰہی، توکل علی اللہ، اللہ کے فیصلوں یعنی تقدیر پر رضا اور صبر وغیرہ پر گفتگو جو یقیناً ایمان کا موضوع ہیں۔[10] (مختصر معارج القبول شرح سلم الوصول: ۱۸۰)

الغرض یہ حدیثِ جبریلؑ ان تمام اسلامی و شرعی علوم و معارف کی جامع ہے جن پر مختلف علماء اپنے اپنے انداز میں گفتگو کرتے ہیں، ان سب کا مرجع و محور یہی حدیثِ مبارک ہے۔

[زیر نظر مضمون جامع العلوم والحکم کی دوسری حدیث کی شرح کے منتخب ترجمہ پر مبنی ہے جس میں متعدد اقوال و آثار ضعیف ہیں، تفصیل کیلئے محدث لائبریری میں جامع العلوم (محقق) کا مطالعہ کریں۔ ح م]

⑩ اور بعض لوگ اس موضوع کو غلط طور پر 'صوفیت' سے مطعون کرنے لگتے ہیں۔ کہاں بدعی صوفیت اور کہاں شرعاً مطلوب 'احسان' (سعیدی)